اس کے بعد آپ نے سعید بن عامرؓ کو مدینہ منورہ میں طلب فرمایا اور جب وہ آگئے تو ان لوگوں سے کہا کہ اب اپنی شکایات پیش کریں۔ انھوں نے عرض کیا۔ پہلی شکایت تو یہ ہے کہ یہ ہر روز بہت دن چڑھے مکان سے باہر تشریف لاتے ہیں اور ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

سعید بن عامر نے جواب دیا۔ بے شک ان کی یہ شکایت درست ہے مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں۔ میں خود ہی آٹا گوندھ کر روٹی پکاتا ہوں اور فارغ ہو کر باہر آتا ہوں۔ پھر سارا دن ان کی خدمت کرتا ہوں۔

جب اس جواب سے لوگوں کی تسلی ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اور کیا شکایت ہے؟ لوگوں نے کہا۔ یہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے چاہے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو۔

سعید بن عامر نے جواب دیا۔ میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب آپ کی خاطر مجبوراً عرض کرنا پڑا۔ میں نے دن تو ان لوگوں کے واسطے خاص کر دیا ہے مگر رات صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے رکھی ہے۔ یعنی دن بھر تو ان لوگوں کی باتیں سنتا اور خلقِ خدا کی خدمت کرتا ہوں مگر رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔

یہ جواب ایسا تھا کہ اس کے سامنے کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ سب لاجواب ہو گئے۔ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے اور انھوں نے ندامت سے اپنی گردنیں جھکا لیں۔

اب حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیا کوئی اور شکایت بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ہاں ایک شکایت اور ہے۔ وہ یہ کہ یہ مہینے میں ایک دن مکان سے باہر نہیں نکلتے۔

سعید بن عامر نے کہا۔ بات یہ ہے کہ خادم نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے کپڑے خود ہی دھونے پڑتے ہیں۔ میں نے مہینے میں ایک دن اس کام کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ اس لیے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔

یہ بیان سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ میرا گمان غلط نہیں نکلا۔ میں نے ان کے بارے میں جو کچھ اندازہ لگایا تھا، وہ صحیح ثابت ہوا، میں نے جلد بازی میں کوئی ایسا قدم [illegible] جس سے ان کو نقصان پہنچتا۔

پھر اہل حمص کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا، "جاؤ - اپنے والی کی قدر کرو۔"

حسنِ سلوک

ایرانیوں کا سردار ہرمز پہلی مرتبہ مغلوب ہوا، تو اس نے جزیہ دینا قبول کر کے اپنی جان چھڑائی مگر پھر آنکھیں پھیر لیں اور مقابلہ کیا - آخر اسے شکست ہوئی اور وہ دوبارہ قید ہو کر حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔
اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ تاجِ مرصّع سر پر تھا اور دیبا (ریشم) کی قبا بدن پر - جڑاؤ تلوار کمر میں لٹک رہی تھی اور گلے میں بیش قیمت زیور پڑے ہوئے تھے - حضرت عمرؓ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے - آپ نے فرمایا - تم نے ایک بار نہیں دو تین بار بد عہدی کی ہے - کہو تم سے اس کا بدلہ کیوں نہ لیا جائے۔

ہرمز نے کہا - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا عذر سننے سے پیشتر ہی مجھے سزا کی دھمکی دی جا رہی ہے ؟
حضرت عمرؓ نے فرمایا - نہیں تم کوئی خوف نہ کرو - ایسا ہرگز نہیں ہوگا - تم اپنا عذر بیان کرو۔
ہرمز نے کہا - پہلے مجھے پانی پلاؤ - میرا حلق خشک ہو رہا ہے -
حضرت عمرؓ نے پانی پلانے کا حکم دیا - ہرمز نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا - کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں پانی پینے کی حالت میں قتل کر دیا جاؤں ؟
حضرت عمرؓ نے فرمایا - تم بے فکر ہو کر پانی پیو، اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ سمجھو - جب تک تم پانی نہ پی لوگے، اپنا عذر بیان نہ کر لوگے، اس وقت تک تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔
ہرمز نے پانی کا پیالہ ہاتھ سے نیچے رکھ دیا اور کہا - میں پانی نہیں پینا چاہتا - آپ نے مجھے امان بخش دی ہے - اب آپ مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو ہرمز کی چالاکی اور فریب دہی پر بڑا غصہ آیا - لیکن حضرت انسؓ بیچ میں بول اٹھے - امیر المومنین! یہ ٹھیک کہتا ہے - آپ نے فرما دیا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لو کسی قسم کا خوف نہ کرو اور جب تک پانی نہ پی لو اپنے آپ کو محفوظ سمجھو - اور لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کی - حضرت عمرؓ نے فرمایا - ہرمز! تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے - میں تجھے دھوکا نہیں دوں گا - اسلام نے فریب کاری کی تعلیم نہیں دی -

میں تجھے آزاد کرتا ہوں۔

یہ ایفائے عہد اور حسن سلوک دیکھ کر ہرمز مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

الفاظ کا گورکھ دھندا

ایک اعرابی (بدوی) مکہ معظمہ میں آیا اور بازاروں میں بلند آواز سے اعلان کرنے لگا۔

"اے لوگو! میرے پاس وہ چیز ہے، جو خدا کے پاس بھی نہیں۔ خدا فتنے کو ناپسند کرتا ہے اور میں فتنے سے محبت کرتا ہوں۔ نیز میں نصاریٰ کے قول کی تائید کرتا ہوں۔"

مسلمانوں نے اس کے یہ کفریہ خرافات سنے، تو اسے پکڑ کر دربارِ خلافت میں پیش کر دیا اور عرض کیا۔ یا امیر المومنین! یہ شخص اس قسم کی باتیں کھلم کھلا بازاروں میں کہتا پھرتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ حضرت عمرؓ اس پر شرعی حد جاری کرتے، اس اعرابی نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! آپ کو میری بات بھی سن لینی چاہیے۔ میرے بیان کے بعد جو سزا آپ تجویز فرمائیں گے، میں بڑی خوشی سے برداشت کر لوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ بیان کرو کہنا کیا چاہتے ہو؟

اعرابی نے عرض کیا۔ "اے امیر المومنین! میں نے جو اعلان کیا ہے، خدا کی قسم! اس میں مطلق غلط بیانی نہیں۔ یہ کہنے سے کہ میرے پاس وہ کچھ ہے جو خدا کے پاس بھی نہیں، میری مراد میرا بیٹا ہے۔ ظاہر ہے خدا کا کوئی بیٹا بیٹی نہیں۔ ملاحظہ ہو قرآنِ مجید کی آیت:

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ

دوسری بات یہ کہ میرا بیٹا میرے لیے فتنہ ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے:

انما اولادکم فتنہ۔ (تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ ہے)

لیکن میں اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہوں۔ بالفاظ دیگر میں فتنے کو پسند کرتا ہوں۔

باقی رہا تیسرا جرم۔ وہ بھی جرم نہیں، ایک صداقت ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میں نصاریٰ کے قول

کی تائید و تصدیق کرتا ہوں۔ نصاریٰ کا قول قرآنِ کریم میں نقل کیا گیا ہے کہ "یہودی راستی پر نہیں ہیں"
میں نصاریٰ کے اس قول کی تصدیق کرکے اسلام اور قرآن کی تائید کرتا ہوں۔

یہ بیان سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "میں تجھے الحاد اور ارتداد کے الزام سے تو بری کرتا ہوں۔ لیکن خبردار! جو پھر کبھی تو نے الفاظ کا یہ مغالطہ آمیز کھیل کسی کو دکھایا"

حضرت عمرؓ کی رحم دلی

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ کلاب بن اُمیہ بن الاسکر نے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ امیہ بن الاسکر۔ بہت پُرگو اور بلند پایہ شاعر اور بہادر تھے۔ انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے دیکھے تھے۔ کلاب ایک عرصے تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔ یہ زمانہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی خلافت کا تھا۔ ایک روز طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں سے اس نے پوچھا۔ " اسلام میں سب سے افضل کون سا کام ہے؟"

انھوں نے کہا۔ "جہاد"

کلاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ ان سے فوج میں بھرتی ہونے کی درخواست کی۔ انھوں نے اُسے ایک پلٹن میں داخل کرلیا، جو حضرت ابو موسیٰؓ کی سپہ سالاری میں عراق کے میدانِ جنگ کی طرف کوچ کررہی تھی۔ کلاب کا باپ ایک کہن سال مرد بیمار تھا۔ آنکھوں کی بینائی زائل ہوچکی تھی۔ جب کلاب کو گئے ہوئے چند دن ہوگئے، تو باپ تابِ مفارقت نہ لاسکا۔ وہ لکڑی ٹیکتا ہوا ایک آدمی کی رہنمائی میں حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اس نے ایک درد انگیز قصیدہ فی البدیہہ پڑھا، جس کے بعض شعروں کا مطلب یہ تھا:

اے ملامت گر! تو نے میری قدر پہچانے بغیر ملامت کی ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں آج کل کس مصیبت میں مبتلا ہوں۔

اگر تو نے میری ملامت کی ٹھان لی ہے، تو خدارا میرے بیٹے کو عراق پہنچنے سے پہلے واپس کردے۔
تجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا کس قدر بہادر اور شجاع ہے۔ وہ ہر مصیبت کے وقت میرے کام آتا ہے۔

میرا اچھا خدمت گزار ہے۔ اس کی بہادری کا یہ عالم ہے کہ میدانِ جنگ میں کوہِ ثبات بن کر دشمن سے لڑتا ہے۔

تمھارے باپ کی قسم! تم نے میرے غم کا اندازہ ہی نہیں کیا اور نہ تم کو یہ معلوم ہے کہ مجھے تم سے کس قدر محبت اور اشتیاق ہے۔

مجھ کو اپنے لختِ جگر کے مفقود ہو جانے کا صدمہ اس قدر پہنچا ہے کہ اگر میرا جگر پھٹنے پر قادر ہو سکے تو پاش پاش ہو جائے۔

میں اس خدا کے سامنے عمر فاروقؓ کا دامن پکڑوں گا جس کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرنے کے لیے حاجی عرفات کے لبا طہ نامی پہاڑ تک جاتے ہیں۔

میں خدا سے کہوں گا کہ فاروقؓ نے میرے جگر گوشے کو میدانِ جنگ سے واپس نہیں بلایا اور ہمارے قبیلے کے ان دو شخصوں کے سامنے پیش نہیں کیا، جن کا سردار زواق ہے۔

یہ قصیدہ سوز و حرماں کی منہ بولتی تصویر تھا۔ ایک ایک حرف سے حسرت، تمنا، بے چارگی اور مہر پدری کا اظہار ہو رہا تھا۔ الفاظ کی نشست، خیالات کی روانی، تراکیب کی چستی اور جوش، اثر، درد اور رقت کی ایسی کیفیتیں اس میں پنہاں تھیں کہ ادھر تو اور خود حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا۔

امیہ کو دم دلاسا دلادیا، ادھر ابو موسیٰ کو حکم بھیجا کہ کلاب کو فوراً واپس مدینے بھیج دیا جائے۔

جب کلاب مدینے پہنچ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے پوچھا۔ "تم اپنے باپ کی کیا خدمت کرتے تھے؟"

کلاب نے عرض کیا۔ "میں ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنے نہیں دیتا تھا۔ ان کو ہمہ وقت راضی رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ جس اونٹنی کا دودھ ان کو پلاتا تھا پہلے اسے خوب کھلا پلا لیتا تھا۔ پھر اس کے تھن دھوتا تھا کہ خوب ٹھنڈے ہو جائیں۔ اس کے بعد دودھ دوہ کر ان کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ بس میری یہی خدمات ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اچھا جس طرح تم اپنے والد کو دودھ پلاتے تھے، اسی طرح آج ہمارے پاس لاؤ۔ ادھر کلاب اونٹنی کو تیار کرنے اور دودھ دوہنے میں مصروف ہو گیا، اُدھر حضرت عمرؓ نے کلاب کے والد

کو بلا بھیجا - وہ آئے تو آپ نے ان کی مزاج پرسی کی اور کہا - کوئی ضرورت ہو تو بتلایئے، انھوں نے جواباً عرض کیا - امیر المومنین! میرا حال کیا پوچھتے ہیں - اب اگر دنیا میں میری کوئی آرزو باقی ہے تو صرف اتنی کہ ایک دفعہ مرنے سے قبل اپنے لختِ جگر سے بغل گیر ہو جاؤں - آپ نے نہایت نرم لہجے میں فرمایا - ابو کلاب! خدا نے چاہا تو تمھاری تمنا ضرور پوری ہوگی - پھر کلاب کے ہاتھ سے ٹھنڈے دودھ کا کٹورا لے کر اس کے باپ کو پیش کیا -

اُمیہ نے کٹورہ منہ کے پاس لے جاتے ہی کہا - امیر المومنین! خدا جھوٹ نہ بلوائے - اس برتن سے مجھے کلاب کی خوشبو آرہی ہے - یقیناً یہ دودھ اسی نے دوہا ہے -

حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی - انھوں نے فرمایا - ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو - یہ دودھ کلاب ہی نے دوہا ہے اور وہ تمھارے پاس موجود ہے - ہم نے اُسے تمھاری خاطر واپس بلا لیا ہے -

اُمیہ یہ سنتے ہی بے تاب ہو گئے، جلدی سے کلاب پر ٹوٹ پڑے - اسے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا - حاضرین اس نظارے سے بہت متأثر ہوئے - ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں - حضرت عمرؓ نے فرمایا - "کلاب! اب تم اپنے باپ کا دامن نہ چھوڑنا - یہی تمھارا جہاد ہے"

پھر حضرت عمرؓ نے کلاب اور اُمیہ کے مصارف کے لیے بیت المال سے ایک رقم منظور کی اور جب تک اُمیہ زندہ رہا کلاب دل و جان سے اس کی خدمت کرتا رہا -

حضرت عمرؓ کی بہو

ایک رات حضرت فاروقِ اعظمؓ اپنے غلام اسلمؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے کہ ایک مکان سے باتوں کی آواز آئی - ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دو -

لڑکی نے کہا - ابھی چند ہی روز ہوئے، امیر المومنین نے منادی کرائی تھی کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے - یہ کھلم کھلا دھوکا ہے - اس سے خدا ناراض ہوتا ہے -

بڑھیا نے کہا - اس وقت ہمیں کون دیکھتا ہے - نہ امیر المومنین یہاں موجود ہیں نہ منادی کرنے والا -

لڑکی نے کہا - یہ تو سراسر دیانت کے خلاف ہے کہ رُوبرو تو اطاعت کی جائے اور پیٹھ پیچھے خیانت -

یہ باتیں سن کر حضرت عمرؓ کو اس لڑکی کی صداقت بیانی اور جرأت ایمانی پر بڑی حیرت ہوئی۔ گھر پہنچ کر آپ نے اپنے صاحبزادوں کو سارا واقعہ سنایا۔ اس لڑکی کی تعریف کی اور کہا۔ تم میں سے کون اس لڑکی سے شادی کرنے پر رضامند ہے۔ ممکن ہے خدا ایسی راست باز لڑکی کے صلب سے کوئی سعید اور صادق ہستی پیدا کرے۔ حضرت کے صاحبزادے عاصم نے اس سے شادی کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ عاصم کی شادی ۱۷ھ/۶۳۸ء میں اس لڑکی سے ہوگئی اور حضرت عمرؓ اسے بہو بنا کر اپنے گھر لے آئے۔

اس لڑکی کے بطن سے ام عاصم پیدا ہوئیں جو عبدالعزیز بن مروان سے بیاہی گئیں۔ انہی کی اولاد تاریخ کی وہ مشہور ہستی ہے جس کا نام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہے اور جن کے دورِ خلافت کے بارے میں مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ خلافتِ راشدہ کا سچا نمونہ تھی۔

آیاتِ قرآنی کا اثر

یہ واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ ایک عورت کے سوزِ قرأت نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا رُخ بدل دیا تھا اور وہ کفر چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آ گئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سورۃ اذا الشمس کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب وہ واذا الصحف نشرت تک پہنچے تو بے ہوش ہو گئے اور کئی دن تک بیمار رہے۔[۱]

ایک دن ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ سورۃ طور پڑھ رہا تھا۔ حضرت سواری پر تھے سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ شخص

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ

پر پہنچا تو آپ سواری سے اُتر پڑے اور نیم غشی کی حالت میں اس کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور دیر تک اسی عالم میں بیٹھے رہے۔ آخر وہاں سے اُٹھ کر گھر گئے اور ایک مہینہ تک بیمار رہے۔ لوگ ان کی بیمارپرسی کو آتے۔ لیکن کسی کو ان کی بیماری کا اصلی سبب معلوم نہ تھا۔[۲]

۱؎، ۲؎ سیرت الفاروق، ص ۲۴۸، بحوالہ ازالۃ الخفا

آخری کلمات

۲۳ ہجری کے محرم کا مہینہ تھا۔ حضرت عمرؓ نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے اور امامت کے لیے کھڑے ہوئے۔ ابھی صرف تکبیر کہنے پائے تھے اور بقول بعض راویوں کے ایک رکعت نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ صف اوّل میں سے ایک شخص نے جو ابولولو کے نام سے مشہور تھا، آگے بڑھ کر تیز دو رُخے خنجر سے کئی وار کیے بلکہ اور بھی کئی نمازیوں کو زخمی کر کے خود بھی اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ لوگ ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ زخم سینے کی بہت کوشش کی گئی۔ پیٹ باندھ دیا گیا مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ محرم کی چھبیسویں تاریخ آپ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان اور اپنے فرزند عبداللہ اور ابن عباسؓ وغیرہ اکابرین کو بلا کر بہت سی وصیتیں کیں۔ فرمایا۔ میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لیے اللہ عزّوجل اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو اقرار کیے گئے ہیں انھیں ہمیشہ پورا کرے۔ ان کی حفاظت کی جائے اور ان سے نیک سلوک کیا جائے۔

زندگی کے آخری لمحوں میں جب ان کا سر اپنے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا، آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ظلومٌ نفسی غیر انی مسلمٌ　　اصلی الصلوٰۃ کلھا واصوم

میرے نفس کے لیے مشکل ہوتی اگر میں مسلمان نہ ہوتا۔ میں تمام نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا ہوں۔

اسی طرح بہت آہستگی سے کلمہ کا ورد کر رہے تھے کہ رُوح جسم عنصری سے پرواز کر گئی [۳۱]

---

[۳۱] سیرت الفاروق، مصنفہ قاضی سراج الدین احمد، ص ۲۵۷

چوہدری محمد اشرف ایم اے

اسلامی فنونِ لطیفہ

ولید بن عبد الملک کے عہد میں

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کا زمانہ نہ صرف اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا بلکہ اس کے دورِ حکومت میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے ہر پہلو میں نمایاں ترقی ہوئی۔ مال و دولت سے خزانہ بھر چکا تھا اور ملک اقتصادی لحاظ سے خوش حال تھا۔ ولید بن عبد الملک کو خوبصورت عمارتیں تعمیر کرانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے عہد میں فنونِ لطیفہ نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اس دور کی بنائی ہوئی عمارتوں میں مساجد اور قصر شامل ہیں۔ مسجد نبوی ؐ اور جامع ولید آج بھی مسلمانوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ان کی شان و شوکت اور حسن و رعنائی دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں کہ ولید کو جنون کی حد تک فنونِ لطیفہ سے دلچسپی تھی۔ مندرجہ ذیل عمارتیں اور مسجدیں اس کی شاہد ہیں۔

مسجدِ نبوی ؐ

یہ مسجد اپنی ساخت، شان و شوکت اور جاہ و جلال میں بے مثال ہے۔ اس کی تعمیر میں نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلموں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور نذرانے پیش کیے۔ شہنشاہِ روم نے ایک سو رومی کاریگر اور چالیس ہزار مثقال سونا بطورِ عقیدت ولید کی نظر کیے[۱] علاوہ ازیں قیمتی پتھروں سے بھری ہوئی چالیس گاڑیاں بھی روانہ کیں۔ مقدسی اس بارے میں لکھتا ہے کہ شہنشاہِ روم نے بیس سے زائد معمار اور قیمتی پتھروں سے لدی ہوئی چند گاڑیاں پیش خدمت کیں تھیں۔ مقدسی نے چالیس ہزار مثقال سونے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس نے معماروں کی مزدوری کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شہنشاہِ روم کی طرف سے بھیجے گئے معماروں

۱؎ معجم البلدان یاقوت، جز رابع، ص ۴۶۶، مطبوعہ ۱۹۰۶ء، نسخہ قدیمہ، ابن اثیر، جز رابع ص ۲۰۰، مقدسی، ص ۱۲۹

میں سے دس معماروں کی مزدوری ایک لاکھ اسی ہزار دینار بنتی تھی۔

ولید بن عبدالملک نے گورنرِ مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مسجدِ نبوی ؐ کی تعمیر کے لیے مقرر کیا اور ہدایت کی کہ اس کی تعمیر میں کوئی تساہل نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دامن عقیدتِ رسول ؐ سے بھرا ہوا تھا۔ فوراً اس نیک کام کی طرف توجہ فرمائی۔ مزدوروں کی طرح خود کام کیا۔ اینٹ، پتھر، چونا خود ڈھویا۔ جب یہ مسجد بن کر تیار ہوئی تو یہ اپنی شان و شوکت، خوبصورتی، نقش و نگار اور حسن و زیبائش میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ولید نے بھی دل کھول کر روپیہ صرف کیا۔[12]

یعقوبی کا یہ کہنا کہ "ولید بن عبدالملک کا دل عشقِ رسول ؐ سے خالی تھا" کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس نے حقائق کو چھپانے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ولید نے اس کی تعمیر میں خزانے خالی کر دیے اور روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ ولید اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا کہ عشقِ رسول ؐ ہی کی بدولت وہ حکمرانی کے بلند مقام پر پہنچا ہے۔

مؤرخ بلاذری لکھتے ہیں کہ باپ نے مسجدِ اقصیٰ اور بیٹے نے مسجدِ نبوی ؐ تعمیر کر کے اپنی آخرت سنوار لی۔[13] اس کی تعمیر میں اعلیٰ قسم کے کاریگروں کی خدمات حاصل کی گئیں اور انھیں معقول معاوضہ دیا گیا۔ عمدہ اور اعلیٰ قسم کا سنگِ مرمر استعمال کیا گیا۔

مسجد کی تعمیر کب شروع ہوئی؟ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلاذری، مسعودی اور ابوالمحاسن تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ اس کام کا آغاز ۸۸ھ میں ہوا[14] جبکہ بعض مؤرخین کی رائے میں اس کی تعمیر ۸۷ھ میں شروع ہوئی۔ البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی تعمیر ۸۹ھ میں مکمل ہوئی۔ حضرت

---

[12] بلاذری، فتوح البلدان ص ۷،۵۶، دینوری اخبار الطوال ص ۳۲۹، مقدسی ص ۸۰، معجم البلدان جزو رابع ص ۴۶۶۔

[13] تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم ص ۱۳۷-۱۶۲۔

[14] قاضی زین العابدین میرٹھی، تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنو امیہ)، ص ۲۳۵، رفیق ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۱۹۴، ص ۲۳۵۔ مسعودی، مروج الذہب ص ۲۱۰۔ ابوالمحاسن، جزو اول، ص ۲۔